© rasailojaraid.com

محمد حماد لکھوی ☆

مغربی معاشرے میں حریت فکر کا تصور

سوچ، فکر اور غور و تدبر ہی ایک ایسی نعمت عظمیٰ ہے کہ اس کی وجہ سے انسان اشرف المخلوقات کہلایا۔ اسلام نے آزادی فکر کو جو اہمیت دی ہے وہ فطرت انسانی کے عین مطابق ہے۔ اہل مغرب بھی جب انسانی نفسیات کا فطری حوالے سے جائزہ لیتے ہیں تو غور و فکر ان کی فکر کا بھی بنیادی نقطہ قرار پاتا ہے۔ لیکن انسانی فکر کا رخ متعین کرنے میں مغرب نے ضرور ٹھوکر کھائی ہے۔ مشہور مغربی مفکر جان ڈیوی فکر انسانی کو انسانی نفسیات کے حوالے سے یوں دیکھتا ہے کہ ''سوچ و بچار علم کی ترقی میں اگلی منزل ہے۔ سوچ و بچار کی تعریف ہم یوں کر سکتے ہیں کہ ''آفاقی عناصر کا علم''۔ سوچ و بچار اور غور و فکر سے ذہن محدود نہیں رہتا۔''(۱)

ایک امریکی ماہر نفسیات فلوڈل رچ بھی غور و فکر اور سوچ و بچار کو انسانی زندگی کا بنیادی عنصر قرار دیتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ''سوچ و بچار میں ماحولیاتی عناصر کی تنظیم علامات پر مشتمل ہوتی ہے۔ مثلاً ایک اچھا بڑھئی پہلے سوچتا ہے اور اپنے کام کی منصوبہ بندی کرتا ہے۔''(۲)

باوجود اس بات کے کہ شرف انسانیت کا اصل سبب ہی سوچ و فکر، ارادہ و اختیار، اور شعور و آگہی جیسا بنیادی جوہر انسانیت ہے، مغرب کے تجربیت پسند ماہرین نفسیات نے انسانی زندگی کی تعبیر بھی حیوانات ہی کی طرح کی ہے چنانچہ ان کے نزدیک انسانی شعور اور افکار انسان کے جسم میں ہونے والے غدودی اور کیمیائی عمل کا نتیجہ ہیں۔ ان کی رائے کے مطابق ''جنسی غدود'' سے جنسی شعور ابھرتا ہے اور ''غدہ امومہ'' مادری شعور پیدا کرتا ہے اسی طرح ''غدہ کظر'' سے بہادری یا بزدلی پیدا ہوتی ہے اور ''غدہ درقیہ'' سے عصبی، معتدل یا بارد نظام بنتا ہے۔(۳)

یعنی مغربی مفکرین کی اکثریت نے انسانی زندگی کو ''جوہر انسانیت'' (فکر) کے حوالے سے دیکھنے کی بجائے اپنی اپنی افتاد طبع کے اعتبار سے انسانی زندگی کی تعبیر کی اور انسانیت کے اصل

☆ استاد شعبہ اسلامیات پنجاب یونی ورسٹی لاہور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گوشے کو نظر انداز کر دیا۔ وہ ہی دراصل انسانیت کا وہ عظیم پہلو ہے جس کی بنا پر انسان انسان کہلانے کا حق دار ٹھہرتا ہے اور حیوانات سے اس کی حیثیت ممتاز ہوتی ہے۔

پندرھویں صدی عیسوی کو فکرِ مغرب کے حوالے سے نشاۃ ثانیہ کا دور کہا جاتا ہے کہ یونانی علماء کے پورے مغرب میں پھیل جانے کے باعث مغربی ذہن' جو کہ گذشتہ قریباً ایک ہزار برس سے مردہ ہو چکا تھا' کو دوبارہ زندگی ملی۔ وحی اور الہامی رہنمائی سے بے نیاز یونانی علوم چونکہ خالصتاً عقلی اور محض انسانی نقطہ نظر سے تشکیل شدہ تھے لہٰذا کائنات کا مرکز انسان ہی کو سمجھا گیا۔ چنانچہ فکری احیاء کی اس تحریک کا نام انسان پرستی (Humanism) قرار پایا جس کا مقصد عقل انسانی کو اصل اہمیت دینا تھا۔ فرد اور اس کے تجربہ کو مذہب' اخلاقیات اور معاشرتی زندگی کے ہر معاملے میں آخری معیار سمجھ لیا گیا۔ مغرب کی عقلیت پرستی کو فرانسیسی فلسفی ڈیکارٹ (Descartes) اور برطانوی سائنس دان نیوٹن کے نظریات نے خاصی حد تک پروان چڑھایا۔ ڈیکارٹ نے اپنی طرف سے تو روح اور مادہ کی دوئی کا مسئلہ حل کرنے کی کوشش کی لیکن نتیجہ الٹا یہ نکلا کہ لوگ "روح" کے معنی ہی بھول گئے اور اس کی جگہ "ذہن" یا "نفس" نے لے لی۔ نیوٹن نے اپنے نظریات سے یہ تاثر دیا کہ کائنات کا نظام کچھ بندھے طبعی قوانین کے تحت چل رہا ہے اور انسانی عقل پورا کائناتی نظام تسخیر کرنے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے۔ عقلیت پرستی کو جان لاک (Locke) اور ہارٹلے (Hartley) نے اپنے نظریات سے نفسیاتی حوالے سے ترقی دی پھر ہیوم (Hume) اور کومتے (Comte) کے نظریات نے مغربی فکر میں حسی تجربے اور عقل کی فوقیت پر گویا مہر تصدیق ثبت کر دی۔ آگے چل کر مغربی مفکرین نے فطرت پرستی (Naturalism) کے نام پر دراصل مادیت پرستی کے دور کا آغاز کر دیا۔ پھر انیسویں صدی میں ایک نظریہ "افادیت پرستی" (Utilitarianism) نے بڑی مقبولیت حاصل کی جس کے مطابق سعادت اور اخلاقیات کا معیار ہر چیز کا افادی پہلو بن گیا۔ آہستہ آہستہ فکر مغرب کا مذہب مخالف رجحان آزاد خیالی (Free thought) کی فکری منزل تک پہنچ گیا۔

اس سارے فکری ارتقاء کے پس منظر میں بنظر غائر دیکھا جائے تو اس حقیقت کی طرف رہنمائی ہوتی ہے کہ اول تو مفکرین مغرب نے انسانیت کے اصل پہلو کو موضوع ہی نہیں بنایا۔ یا پھر ان میں سے جن لوگوں نے انسانیت کے اصل پہلو کی طرف توجہ دی وہ اس کا صحیح مقام متعین نہیں کر سکے۔

بنیادی طور پر مغربی مفکرین کا طریق کار مذہب سے متصادم نہ تھا۔ کائنات کے آثار کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مشاہدہ، ان کے اسرار کی تحقیق، ان کے کلی قوانین کی دریافت، ان کے مظاہر پر غور و فکر اور ان کو ترتیب دے کر قیاس و برہان کے ذریعے سے نتائج کا استنباط، ان میں سے کوئی بھی چیز مذہب کے نقطۂ نظر کے خلاف نہیں۔ مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ عیسائی پادریوں نے اپنے مذہبی اعتقادات کی بنیاد قدیم یونانی فلسفہ و حکمت پر رکھی تھی۔ اور سمجھا یہ کہ اگر جدید علمی تحقیقات اور فکری اجتہاد سے کام لیا گیا تو مذہب کی بنیاد متزلزل ہو جائے گی۔ کلیسا کی ایسی فرسودہ خیالی نے مغرب میں آزاد خیالی کی تحریک کو جنم دیا اور یوں مغرب کے آزاد خیالوں نے حریت فکر کو ایک نعرے کے طور پر استعمال کیا اور مذہب کو ہمیشہ اپنے مدمقابل سمجھا۔ اسی تضاد کے نتیجے میں مغربی حریت فکر کی بنیاد ایسے خیالات و اعتقادات پر رکھ دی گئی جس کا مقصد کسی خدا یا مافوق الفطرت ہستی کو ملوث کئے بغیر رازہائے کائنات کا پتہ چلانا اور ان میں غور و فکر کرنا تھا۔ مغرب کا نظریہ قانون فطرت (Law of Nature) اسی سلسلے کی ایک کڑی تھا۔ جب انسانیت کے تمام تقاضوں کو قدرتی قانون (Law of Nature) کے پیمانہ سے ناپا جانے لگا تو حریت فکر کی اصطلاح بھی ایک "فطری ضرورت" (Natural Necessity) کے طور پر زیر بحث آئی۔ مشہور مغربی مفکر کانٹ (Kant) اس بارے میں اس طرح اظہار خیال کرتا ہے۔

> "Free will in man was a necessity of nature...... The Conception of morality necessitates free will as a postulate just as much as the conception of natural science requires necessity as a postulate"(4)

مافوق الفطرت، غیر محسوس اور غیر مادی حقائق کا برملا انکار کرنے کے بعد مذہب سے بیزاری جدید نظام فکر کا بنیادی عنصر قرار پایا۔ مغرب میں اب صرف وہ علم معتبر سمجھا جانے لگا جس سے لادینی فکر کو تقویت ملتی ہو۔ سائنس کا ہر ہم سفر شعوری یا لاشعوری طور پر مذہب بیزاری کے جذبہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا(۵) اس لادینی رجحان نے مغرب میں انسانی فکر کو ایسی آزادی عطا کی کہ اس پر کوئی داخلی یا خارجی پابندی باقی نہ رہی۔ ویبسٹر (Webster) فکر انسانی کے ایسے آزادنہ تصور کو یوں بیان کرتا ہے۔

> "Free will is the doctrine that human being are not controlled in thier choices by physical or divinely imposed necessity."(6)

اہل مغرب کا فکر انسانی کے بارے میں یہ آزاد تصور، جس کی بنیاد محض مذہب بیزاری پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رکھی گئی تھی، مختلف ارتقائی مراحل طے کرنے کے بعد "حریت فکر" کی تحریک کی بنیاد ثابت ہوا۔ اس تصور پر مبنی فکر و فلسفہ نے مذہبی، سیاسی، اور معاشرتی استحصال کے شکار اہل مغرب کو ایک نئی فکری جہت عطا کی۔ جس کے تحت انہوں نے آزادی، مساوات، خوشحالی، ترقی اور عالمی امن و انصاف جیسے خوبصورت خواب دیکھنے شروع کر دیئے۔ مذہب اور کلیسا کو صدیوں سے جو مقام حاصل تھا، اس تحریک کی بدولت وہ عوامی سطح پر چیلنج کر دیا گیا۔ حالانکہ اس سے قبل ایسا سوچنا بھی گناہ تصور کیا جاتا تھا۔ اب "حریت فکر" کی اس تحریک کے باعث مذہبی عقائد و تعلیمات کی حیثیت مشکوک ہونے کے بعد کلیسا کا تقدس بھی خطرے میں پڑ گیا۔ چنانچہ آہستہ آہستہ مذہب کا دائرۂ کار تنگ ہوتا چلا گیا۔ اہل مغرب کا مذہب یا کلیسا پر اعتماد ختم کرنے میں مذہبی مقتدر طبقہ (پادریوں) کے منفی رویہ نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ سائنسی فکر کے غلبے کا نیا رجحان بھی حریت فکر کی اس تحریک کا معاون ثابت ہوا اور مذہب کے لیے ایک بڑے چیلنج کی حیثیت اختیار کر گیا۔ اس طرح ہر اس نظریئے کا انکار کر دیا گیا جس کی بنیاد مشاہدے اور تجربی احساسات پر نہ تھی۔ یہ حریت فکر کی حدود سے صریحاً تجاوز تھا۔ اس کے بعد مغربی عوام اور سائنسی تحقیقات میں جو ذہنیت کار فرما رہی ہے وہ یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح اس کائنات کو ایک مشینی ساخت میں تبدیل کر دیا جائے جو خالق و صانع اور مدبر کائنات کے تصورات سے آزاد ہو۔ اور اس طرح فکر انسانی نے جو روپ اختیار کیا اس ذہنیت کو لادینیت اور الحاد کا نام دیا جاسکتا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن ایسی صورتحال پر یوں تبصرہ کرتا ہے:-

> "The 18th Centery Europeon intellectul movement known as the "Enlightenment" was affiliated with the rise of the bourgeoisie and the influnence of modern science; it promoted the values of intellectual and material progress, toleration and critical reason as opposed to authority and tradition in matters of politics and religion."(7)

لادینیت و الحاد کی تحریک کم وبیش چار صدیوں کا طویل سفر طے کر کے اپنی موجودہ منزل تک پہنچی ہے۔ مغربی مفکرین کے جملہ فلسفیانہ افکار اور سائنسی انکشافات لادینیت کی اس تحریک کو ترقی دینے کا سبب بنے۔ ایک قابل توجہ بات یہ ہے کہ مغرب کے تمام کے تمام فلاسفہ، حکماء اور سائنس دان حقیقی اعتبار سے ملحد یا بے دین نہیں تھے۔ بلکہ بعض تو ان میں پکے دیندار اور سخت مذہب پرست تھے۔ لیکن یہ سب شعوری یا لاشعوری طور پر وقت کی لادینی رو میں بہتے چلے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گئے۔ ان کی سوچ کا انداز وہی تھا جو مذہب سے بیزار لوگوں اور منکرین خدا کا تھا۔ ان کے قلبی عقائد ان کے انداز فکر پر اور ان کے تحریروں پر اثر انداز نہیں ہوئے۔ ان کی فکری کاوشوں سے لادینی تحریک کو فروغ حاصل ہوا۔ ان میں سے بعض نے صرف اہل کلیسا کے باطل افکار اور مزعومات کی تردید پر ہی اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ طیش میں آکر نفس مذہب اور حقائق ثابتہ کا بھی انکار کر ڈالا۔(۸) اس کی وجہ یہ تھی کہ مغرب میں مذہب کی نمائندگی عیسائیت اور عیسائیت کی نمائندگی کلیسا کرتا تھا۔ اس طرح کلیسا کو ہی مذہب کا نمائندہ سمجھا جاتا تھا۔ کلیسا لوگوں کی روحانیت پر توجہ دینے اور محبت و الفت اور نرمی و مہربانی کا گہوارہ بننے کی بجائے اقتدار کا دعویدار بن بیٹھا۔ اور ایک زمانے تک لوگوں کی عقل و روح کے علاوہ ان کے جسموں پر بھی مسلط رہا اور بڑی وحشیانہ اور سنگدلانہ آمریت قائم کیے رکھی۔ لوگ کلیسا سے خوفزدہ رہنے لگے۔ کلیسا کی تقدیس جزو ایمان قرار پایا۔ اہل کلیسا اپنے آپ کو تمام انسانوں سے زیادہ مقدس اور برگزیدہ سمجھتے تھے۔ دنیوی اقتدار کے بل بوتے پر اہل مذہب نے چند مخصوص افکار و خیالات بھی لوگوں پر ٹھونس رکھے تھے جن کی خلاف ورزی دینی و دنیوی دونوں حوالوں سے قابل سزا جرم تھا۔ اس طبقاتی نظام اور فکر انسانی پر لگائی گئی ان پابندیوں نے یہ فضا پیدا کر دی کہ ہر انفرادی و اجتماعی فکری کاوش پر لادینیت اور مذہب بیزاری کا پہلو غالب رہا۔ کلیسائی فکر کو ایک بہت بڑا دھچکا اس وقت لگا جب ڈارون نے اصل انواع (Origion of Species) کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر پیش کیا۔ اس نے پورے زور اور قوت کے ساتھ اعلان کیا کہ انسان میں کوئی خدائی روح موجود نہیں ہے اور وہ صرف ایک مادی حیوان ہے۔ طبعی قوانین کے زیر اثر دنیا میں حیات نمودار ہوئی ہے۔ حیات نے یک خلیہ جرثومہ سے ترقی کرتے کرتے بالآخر انسان کی شکل میں ظہور کیا ہے۔ جس سے ضمنی نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ کائنات کی تخلیق اور تدبیر میں کسی خداوند تعالیٰ کا دخل نہیں ہے۔ اس طرح مذہب کے دعویٰ خالقیت کا بھی انکار کر دیا گیا۔ ڈارون کے نظریہ ارتقا اور اس کے اثرات کے بارے میں حسن عسکری تحریر کرتے ہیں۔

"انیسویں صدی میں جس چیز نے ایسی "آزاد خیالی" اور تشکیک کو سب سے زیادہ تقویت پہنچائی وہ انگریز سائنس دان ڈارون کا نظریہ ارتقاء تھا۔ اس نظریے کا کوئی حتمی ثبوت ڈارون کو نہ مل سکا تھا اور نہ آج تک ملا ہے۔ یہ خالی نظریہ ہی نظریہ تھا۔ بہر حال یہ نظریہ مذہبی عقیدے کی طرح جڑ پکڑ گیا۔ اس نظریے کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو کائنات ایک دم سے وجود میں آئی ہے نہ انسان، بلکہ کائنات کی ہر چیز اور انسان اپنی موجودہ ہیئت تک لاکھوں سال کی تبدیلیوں سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گزرنے کے بعد پہنچا ہے اور مسلسل تبدیلی کا قانون فطرت کے بنیادی عوامل میں سے ہے۔ یہ نظریہ اس عیسوی عقیدے کی تردید کرتا تھا۔ کہ کائنات کو خدا نے ایک لفظ کہہ کر تخلیق کیا ہے۔ اس تضاد نے لوگوں کے دلوں میں مذہب کی طرف سے شدید شک اور بدگمانی پیدا کر دی"۔(۹)

ڈارون کے بعد فرائڈ اور کارل مارکس وغیرہ جتنے مفکرین آئے، وہ تمام فلسفہ ڈارون سے متاثر تھے۔ اور ڈارون کا اپنا نظریہ ارتقا بھی محض ایک مفروضے پر مبنی تھا۔ اور خالصتاً اس وقت کے حالات، مذہب بیزاری کے جذبہ اور فکری بے راہروی کے سبب تھا۔ انہی اسباب کی بنا پر فکر مغرب نے کہاں کہاں ٹھوکریں نہیں کھائیں۔ اگر مغربی مفکرین (خاص طور پر سائنس دانوں) کے مختلف نقطہ ہائے نظر کو اکٹھا کر کے ایک نقطے پر مرکوز فرض کر لیا جائے تو ان کی فکر کا وہ مرکزی نقطہ "انکار" ہو گا۔ مثلاً کوپر نیکس (Copernicus) نے انسان کو اشرف المخلوقات ماننے سے انکار کر دیا۔ گیلیلو (Galileo) نے انسانی غیر کمیتی صفات مثلاً صوت، رنگ، بو وغیرہ کو صفات اولیہ کی حیثیت سے ماننے سے انکار کر دیا۔ ڈیکارٹ (Descartes) نے مادہ اور جسم کو اولیت دے کر روح اور ذہن کی اہمیت سے انکار کر دیا۔ ڈارون (Darwin) اور نیوٹن (Newton) نے اس کائنات کے صانع اور خالق کا انکار کر دیا۔ لوائے زر (Levoisier) اور ٹائٹ (P.G. Tait) نے نظریہ فنائے کائنات کا انکار کر دیا۔ ہارلوشیپ لے (Harloshapley) نے انسانی زندگی اور کائنات میں انسان کے وجود ہی کی اہمیت سے انکار کر دیا۔ فرائڈ (Freud) نے ذہن انسانی کو غیر مادی ماننے سے انکار کر دیا۔ واٹسن (Waston) نے انسان کے ذہنی شعور کا انکار کر دیا۔"(۱۰)

اگر اس "انکار" کے اسباب کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو وہی بات سامنے آئیگی کہ دراصل یہ سب کچھ کلیسا (مذہب) اور اس کے افکار و خیالات کا ردعمل تھا۔ وگرنہ حریت فکر کا داعی ڈارون اگر خالق کائنات کے وجود کا اعتراف کر لیتا تو اس سے آزادی فکر، عقل کی بالادستی اور عظمت سائنس کو کوئی نقصان نہ پہنچتا کیونکہ خالق کائنات اور مدبر زندگی کے وجود کا اعتراف نہ تو سائنس کے منافی ہے اور نہ سائنسی و فکری ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ لہٰذا ڈارون کے انکار کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ کسی ایسی بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں تھا جس کو کلیسا بھی مانتا ہو۔ اور اگر وہ کلیسا کے خدا کو تسلیم کرتا تو اس کا مطلب یہ سمجھا جاتا کہ کلیسا کی دوسری تمام خرافات بھی قابل تسلیم ہیں۔ یہ تھا وہ نقطۂ انقلاب جس نے اہل مغرب کے فکری میدان کی بے راہروی کی حد تک وسعت کے باوجود مذہب کی مخالفت کو زاد راہ اور زریں اصول کے طور پر ساتھ رکھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور یوں بنیادی حقائق سے انکار پر مبنی اس فکر جدید نے انسانیت کو اس کی اصل منزل سے دور لے جانے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ حالانکہ اہل مغرب کی فکر کے خطوط اور میدان چاہے یہی ہوتے، محض مخالفت مذہب کی عینک اتار کر انصاف کا پہلو ملحوظ رکھا جاتا تو فکر مغرب اور حقائق ثابتہ کے درمیان خلیج شاید اتنی خوفناک نہ ہوتی۔ مثلاً ڈارون کے نظریہ ارتقاء ہی کو لیجئے کہ یک خلیہ حیوان (One Cellular Amoeba) سے خود بخود ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے بالآخر صاحب فہم و شعور انسان پیدا ہوا۔ ڈارون کے اس نظریہ کا حقیقت سے موزانہ کرتے ہوئے سید محمد سلیم تحریر کرتے ہیں۔

"یعنی حیات نے ادنیٰ مظہر سے اعلیٰ کی طرف ترقی کی ہے، فروتر سے برتر کی طرف ترقی کی ہے۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اولین جرثومہ حیات کو اپنی آخری منزل کا علم تھا جب ہی تو حیات نے اپنا طویل سفر بہ خط مستقیم "اعلیٰ" کی طرف طے کیا۔ یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ یہاں اول روز سے حکمت و دانائی کارفرما رہی ہے۔ اندھی بہری فطرت میں یہ دانائی اور حکمت کا شعور کہاں سے پیدا ہو گیا؟ یہ بات تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ علیم و حکیم خداوند تعالیٰ کا دست قدرت کارفرما ہے۔"(۱۱)

محمد قطب ڈارونی خیالات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "اہل مغرب تو کلیسا اور خداوند کلیسا سے نجات پانے کے لیے ہر خرافات کو ماننے پر آمادہ تھے۔ انہیں تو ہر حال میں کلیسا کے ہولناک اقتدار سے پیچھا چھڑانا تھا۔ خواہ کلیسا کے خدا کو چھوڑ کر نیچر ہی کو خدا کیوں نہ ماننا پڑے۔ کیونکہ کلیسا تو اپنے خدا کے نام پر انسانوں کو اپنا غلام بناتا تھا۔ مگر نئے خدا "نیچر" کا تو کوئی کلیسا نہیں ہے...... بلکہ یہاں تو آزادی ہے کلیسا سے، کلیسا کے جابرانہ اقتدار سے، کلیسا کے ظلم و ستم سے، اور یہاں آزادی ہے لذت کوشی اور پرعیش زندگی کی، اور یہاں آزادی ہے اپنی دولت و ثروت میں اضافے کے لیے دوسری قوموں کو غلام بنانے کی، اور ان سب باتوں کی جو انہیں رومی تہذیب سے ورثے میں ملی ہیں۔"(۱۲)

فرائڈ (Freud) نے دعویٰ کیا کہ انسانی اعمال کا محرک اول جذبہ کشش جنسی اور جذبہ شہوت ہے۔ اس نے انسانی زندگی کے تمام اعمال کی تشریح و توجیہ جنسی جذبہ سے کر ڈالی۔ حتیٰ کہ معصوم بچے کا انگوٹھا چوسنا بھی اس کی نظر میں جذبہ جنسی کا مظہر ہے۔ انسان کے اندر اس کو کوئی جذبہ خیر نظر نہیں آتا۔ اس کے افکار نے آزاد شہوت رانی کی راہ ہموار کر دی۔ ڈارون نے انسانوں کو حیوان قرار دیا تھا۔ فرائڈ نے انسان کی شرم و حیا کا پردہ چاک کر دیا اور یوں انسانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اخلاقی اقدار کا جنازہ نکل گیا اور معاشرے کی بنیادیں ہی متزلزل ہو گئیں۔ ڈاکٹر نعیم احمد نے فرائڈ کے نظریہ انسانیت کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

"کہا جاتا ہے کہ انسانیت کو تین شدید دھچکے لگے ہیں۔ پہلا دھچکا کوپرنیکس نے لگایا۔ کوپرنیکس سے پہلے یہ نظریہ عام تھا کہ ہماری زمین ساری کائنات کا مرکز ہے جس کے گرد سورج، چاند، اور دیگر سیارے گھومتے ہیں۔ لیکن کوپرنیکس کی علمی تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا کہ زمین تو ایک چھوٹا سا سیارہ ہے جو کہ سورج کے گرد گھومتا ہے۔ اس طرح لوگوں کے زمین مرکزی (Geocentric) رجحان کو شدید دھچکا لگا۔ دوسرا دھچکا ڈارون نے لگایا۔ لوگ جہاں زمین کو مرکز کائنات سمجھتے تھے وہیں انسان کو بھی اشرف المخلوقات کی حیثیت سے کائنات کا مرکز و محور سمجھتے تھے۔ ڈارون کا یہ کہنا کہ انسان کمتر جانوروں کی ارتقاء یافتہ شکل ہے، انسانیت کے لیے دوسرا دھچکا ثابت ہوا جس کا علمی و مذہبی حلقوں میں شدید ردعمل ہوا۔ انسانیت کو تیسرا دھچکا فرائڈ کے نظریہ تحلیل نفسی نے لگایا۔ فرائڈ کی علمی کاوشوں سے نفس انسانی کی عمیق ترین تہوں کا سراغ ملا اور جنسیت کو انسانی کردار کی قوت محرکہ قرار دیا گیا۔" (۱۳)

فرائڈ ڈارون سے کافی حد تک متاثر تھا۔ نظریہ تحلیل نفسی پیش کرتے ہوئے جب وہ انسانی جبلتوں کا تذکرہ کرتا ہے تو جبلت حیات سے لیکر جبلت مرگ تک کے ارتقائی سفر کا تصور ڈارون کے نظریہ ارتقاء کا ہی پر تو محسوس ہوتا ہے۔ اپنے ایک مقالے میں فرائڈ انسانیت کے جبلی سفر کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے۔

"حیات کی صفات شروع شروع میں کسی ایسی قوت کے ہاتھوں، غیر نامیاتی مادے کے اندر پیدا ہوئیں، جس کا ہم کوئی تصور حاصل نہیں کر سکتے۔ ممکن ہے یہ عمل اس عمل سے مشابہ ہو رہا ہو جس سے بعد ازاں مادے کی کسی مخصوص شکل میں شعور پیدا ہوا۔ تب جو اطناب یا کھچاؤ پیدا ہوا، وہ یہ تھا کہ جواب تک بے جان مادہ تھا، اس نے (حیات پذیر ہونے کے بعد) اپنی اولین حالت کی طرف واپسی کی کوشش شروع کر دی اور خود کو منسوخ کرنا چاہا اس طرح پہلی جبلت معرض وجود میں آئی۔" (۱۴) گویا مغربی فکر کو روحانیت سے بے نیاز کرنے اور انسانیت کی تعبیر محض مادی حوالے سے کرنے کا جو سلسلہ جاری تھا۔ فرائڈ نے اس میں نہ صرف یہ کہ اپنا حصہ ڈالا۔ بلکہ جوہر انسانیت کا ایسا تصور دیا کہ انسان انسانیت کے مقام پر ہی فائز نہ رہ سکا۔ محمد قطب نے فرائڈ کی ان فکری جسارتوں پر اس طرح اپنا خیال ظاہر کیا ہے۔

"فرائڈ نے انسان کو جبلتوں اور خواہشوں کا مجموعہ بتا کر دراصل انسان کی تذلیل کی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرائڈ کی نظر میں انسان نہ اپنی مادی دنیا سے بالاتر ہو سکتا ہے اور نہ کسی فن کی تخلیق، فکر کی بلندی اور روح کی پرواز میں جبلی قیود سے آزاد ہو سکتا ہے۔ سوائے اس صورت کے کہ جبلی قوت کی راہ میں کوئی زبردست رکاوٹ پیدا ہو جائے اور وہ شہوتوں کو ابھرنے سے باز رکھے۔"(۱۵)

تحلیلی نفسیات کے ماہرین نے بھی فرائڈ کے نظریات سے اختلاف کیا ہے۔ ان کے خیال میں جنسی جذبہ کو انسانی اعمال کا محرک سمجھنا بعیداز حقیقت بات ہے۔ بعض ماہرین نفسیات کا خیال ہے کہ فرائڈ نے خود بھی آخری عمر میں اپنے نظریات سے رجوع کر لیا تھا اور جوہر انسانیت کو پہچان لیا تھا۔ دور جدید کا ایک محقق روزن برگ فرائڈ کے نظریات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"آج سے پچاس سال قبل تو یہ (تحلیل نفسی) ایک ویران صحرا کی مانند تھی۔ جس میں چند منفرد معلومات کو لیکر فرائڈ نے اپنی نظریات سازی کی ہے۔ آخر عمر میں اس نے ان نظریات پر نظر ثانی کی تھی اور یہ بات تسلیم کی تھی کہ جنسی جذبہ کے مقابلہ میں اثبات ذات کا جذبہ زیادہ قوی محرک عمل ہے۔"(۱۶)

مغرب کے دوسرے مفکرین، فلاسفہ اور سائنس دانوں کے علاوہ جس نے سب سے زیادہ فکری طور پر اہل مغرب (خاص طور پر عوام اور نچلے طبقے) کے ذہن کو متاثر کیا۔ وہ ایک جرمن فلسفی کارل مارکس تھا۔ اس نے طبقاتی نظام کے خلاف مزدور طبقہ کی بے بسی کے نام پر تمام قسم کی اخلاقی و مذہبی اقدار کو پس پشت ڈال دیا۔ مارکس میں اپنے پیش روؤں کی تحریروں کو اپنے اندر جذب کرنے، ان کے نظریات کو بغیر جانے بوجھے نت نئے راستوں پر ڈالنے کی بھرپور صلاحیت تھی۔ اس کا منفرد انداز تحریر اسی صلاحیت کی بدولت ہے۔ جوانی میں مارکس ہیگل سے بہت حد تک متاثر تھا۔ وہ ہیگل کے ان معتقدین میں سے تھا جنہوں نے آزادی اور عقلیت کو ایک مہم کے طور پر اپنایا۔ مورس کرنسٹن کی کتاب میں مارکس کی تحریروں اور خیالات کا تعلق اس کے پیشروؤں اور آزادی کی جدوجہد کے ساتھ اس طرح ظاہر کیا گیا ہے:۔

"Marx's Origionality was the product of an immense capacity for both digesting all that his Predecessors had written and allowing their ideas to combine in new and unexpected ways. The younger and more redical of Hegal's followers, with whom Marx at first belonged, saw the growth of freedom and rationality in terms of an intellactual struggle against false beliefs and a political struggle against governmental and

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

especially prussian censorship and repression."(17)

معاشی تفاوت، معاشرے کی طبقاتی کشمکش، مذہب سے بیزاری اور نچلے طبقے کا احساس محرومی، یہ وہ عوامل تھے جن کی بنا پر مارکس نے، آزادی کے نام پر، ایک نئے جبر کا نظام متعارف کرایا۔ اور آزادی فکر کے بل بوتے پر لادینیت اور ہر قید و بند سے آزادی کی دوسری انتہا پر پہنچ گیا۔ محمد اسماعیل اپنی کتاب "رسولؐ عربی اور عصر جدید" میں مارکسی نظریات کے نتائج و عوامل پر یوں روشنی ڈالتے ہیں :-

"دولت کی ناہموار تقسیم، سرمایہ داروں کی عیاشی، غریبوں کی فاقہ کشی اور اخلاقی قدروں کے فقدان نے کارل مارکس کے نظریہ اشتراکیت کے لیے زمین ہموار کرنی شروع کر دی۔ مزدور کی بے بسی جب انتہا کو پہنچی تو اس نے غضبناک ہو کر کروٹ لی اور ہر قید و بند توڑ کر وحشی جانور کی طرح ایسا آزاد ہوا کہ سرمایہ اور سرمایہ دار کے ساتھ ساتھ اخلاق و مذہب کو تہ تیغ کر کے رکھ دیا...... اور مذہب و سرمایہ داری کی لاشوں پر اشتراکی مزدوروں نے ایک ایسی تنظیم کی تعمیر کی جس میں سرمایہ داری کے ساتھ مذہب اور خدا کو بھی خیرباد کہہ دیا"(۱۸)

ابتداً کلیسا کے جبر و ستم کے سبب شروع ہونے والی آزادی فکر کی مغربی تحریک نے شروع میں تو صرف ان مسیحی تصورات کا انکار کیا تھا جن پر یورپ میں عمل ہوتا تھا۔ بعد میں وہ اس نہج پر سوچنے لگے کہ تمام مذاہب ایک جیسے ہوتے ہیں اور اس طرح انہوں نے تحقیقی مطالعہ کیئے بغیر تمام مذاہب کی نفی کر دی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ خدا کے خالق کائنات ہونے کا بھی انکار کر گئے۔ چنانچہ جدید فکر (سائنس) اور مذہب کے درمیان ناقابل عبور خلیج کلیسا نے پیدا کی۔ غیر مذہبی اور ملحدانہ انداز فکر کو پھیلانے میں صیہونیوں اور کمیونسٹوں نے بھی نمایاں کردار ادا کیا۔ نتیجتاً مغرب میں ایسے دانشور پیدا ہونا فطرت بات تھی جنھوں نے اخلاقیات اور زندگی کی اعلیٰ اقدار کو بدل کے رکھ دیا۔ اس جدید تصور فکر نے عوام کے ساتھ ساتھ اہل قلم اور اہل فکر کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا اور پورا مغربی معاشرہ ایک خاص قسم کے طرز فکر و عمل کا خوگر ہو گیا جس میں نہ کوئی فکری و عملی بندش رہی، نہ خدا کا کوئی واضح تصور باقی رہا، نہ انسانیت کی روحانی عظمت اور شان و شوکت باقی رہی۔ بلکہ ایسا مجموعی رویہ اور سماجی فضا وجود پذیر ہو گئی کہ کوئی بھی شخص اس مخصوص طرز فکر و عمل سے ہٹ کر سوچنے اور غور و فکر کرنے کے بھی قابل نہ رہا۔ اقتصادی اور جنسی مسرت کا حصول ہی مقصد زندگی رہ گیا اور یہی اخلاقیات کا معیار بھی قرار پایا۔ سید مودودی اہل مغرب کی اس فکری بے حالی کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"یہی وہ فلسفہ اور سائنس ہے جس نے مغربی تہذیب کو پیدا کیا ہے۔ اس میں نہ کسی علیم و قدیر خدا کے خوف کی گنجائش ہے، نہ نبوت اور وحی و الہام کی ہدایت کا کوئی وزن، نہ موت کے بعد کسی دوسری زندگی کا تصور، نہ حیات دنیا کے اعمال پر محاسبے کا کوئی کھٹکا، نہ انسان کی ذاتی ذمہ داری کا کوئی سوال، نہ زندگی کے حیوانی مقاصد سے بالاتر کسی مقصد اور کسی نصب العین کا کوئی امکان۔ یہ خالص مادی تہذیب ہے اس کا پورا نظام خداترسی، راست روی، صداقت پسندی، حق جوئی، اخلاق، دیانت، امانت، نیکی، حیا، پرہیزگاری اور پاکیزگی کے ان تصورات سے خالی ہے جن پر اسلامی تہذیب کی بنیاد رکھی گئی ہے"(۱۹)

الغرض مغربی معاشرے میں پیدا ہونے والا ہر نیا شخص روحانیت اور حقیقی فکر سے خالی اسی معاشرے کی مخصوص انداز فکر کی فضا میں پروان چڑھتا ہے اور اس معاشرے کی مادیت پر مبنی انسانی اقدار اور طے شدہ اخلاقی معیار کے لیے مخصوص فکری منہج کے تحت کوشاں ہے۔ اہل مغرب کی شب و روز جدید تحقیقات اور نئی نئی سائنسی ایجادات اسی انسانی اخلاقی معیار کی خاطر ہیں۔ بقول اقبالؒ:

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا
آج تک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا (۲۰)

حوالہ جات

1- Lestr. D.Crow & Alice Crow, Reading in general psychology. New York, 1975, P:206.

2- Floyd L. Ruch., Psychology & Life, Scott, Foresman & Cop., 1980, P:335

۳۔ محمد قطب، جدید جاہلیت، البدر پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۰، ص ۹۷۔

4- Bronowski.J. & Bruce Mazlish, Western Intellectual tradition, New York, 1960, P: 479

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۵۔ سید محمد سلیم، مغربی فلسفہ تعلیم کا تنقیدی مطالعہ، ادارہ تعلیمی تحقیق تنظیم اساتذہ پاکستان لاہور، ۱۹۸۶ء ص ۲۵۔

6- Webster, Webster's New Collegiate dictionary, U.S.A, 1949, P:331

7- The Encyclopedia of Religion, Macmillan Publishing Co. New York, 1987, Vol:5, P:109

۸۔ مغربی فلسفہ تعلیم کا تنقیدی مطالعہ، ص ۳۴

۹۔ حسن عسکری، جدیدیت، ادارہ فروغ اسلام لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۶۸۔

۱۰۔ مغربی فلسفہ تعلیم کا تنقیدی مطالعہ، (تلخیص)، ص ۳۴۔۴۳۔

۱۱۔ ایضاً، ص ۳۷۔

۱۲۔ محمد قطب، اسلام اور جدید مادی افکار، اسلامک پبلیکشنز لاہور، ۱۹۸۷ء ص ۴۸۔

۱۳۔ نعیم احمد، ڈاکٹر، فرائڈ۔ نظریہ تحلیل نفسی، نگارشات لاہور، ۱۹۹۴ء ص ۱۱۔

14- Freud, Sigmond, Beyond the Pleasure Principle, The Hogarth Press London, 1961, P : 32

۱۵۔ اسلام اور جدید مادی افکار، ص ۵۸

16- Rosenberg, Max. M., Encyclopaedia of Medical Self help, New York, 1967, P: 414

17- Maurice Cranston, Western Political Philosophers, The bodley Head London, 1964, P:99

۱۸۔ محمد اسماعیل، رسول عربی اور عصر جدید، مکتبہ طلوع سحر کراچی، ۱۹۶۹ء، ص ۳۳۵۔

۱۹۔ سید مودودی، ابوالاعلیٰ، تنقیحات، اسلامک پبلیکشنز لاہور، ۱۹۸۹ء ص ۱۷، ۱۸۔

۲۰۔ اقبال، "کلیات اقبال (اردو)" الفیصل ناشران کتب لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۴۴۰۔

© rasailojaraid.com